○ ... ۱۸۵۲ء

اس نزاکت کا بُرا ہو؛ وہ بھلے ہیں، تو کیا؟ م
ہاتھ آویں، تو اُنھیں ہاتھ لگائے، نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے؟ م
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بِن آئے نہ رہے م
تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ، تو بُلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے م
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش، غالبؔ م
کہ لگائے نہ لگے، اور بُجھائے نہ بنے

○ ... ۱۸۵۲ء (قج) رُباعیات

۱

حق شہ کی بقا سے، خلق کو شاد کرے | تا شاہ، شیوعِ دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں، گانٹھ م | ہے صفر کہ افزایشِ اعداد کرے

۲

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں، بلکہ سِوا! | اتنے ہی برس شمار ہوں، بلکہ سِوا!
ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں م | ایسی گرہیں ہزار ہوں، بلکہ سِوا!

۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۶ء

مُتفرِق

نسخۂ رام پور (ثانی / جدید) ۱۸۵۵ء

قادرنامہ (طبع اوّل) ۱۸۵۶ء

○ ...۱۸۵۳ء

در مدحِ شاہ

۱

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخشِ جہاں دار / ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عُقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو / تُو وا کرے اُس عقدے کو، سو بھی بہ اشارت
ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر؟ / گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت
آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا / ہے فخرِ سلیماں، جو کرے تیری وزارت
ہے نقشِ مریدی ترا، فرمانِ الٰہی / ہے داغِ غلامی ترا، توقیعِ امارت
تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں / تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
ڈھونڈے نہ ملے، موجۂ دریا میں روانی / باقی نہ رہے، آتشِ سوزاں میں حرارت
ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل / ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

۱ "یہ قطعہ نوروز کی مبارکباد پر مشتمل ہے، اور نوروز، آفتاب کے برج حمل میں داخلے پر منایا جاتا ہے۔ میرزا صاحب، سرور کو لکھتے ہیں: 'تحویلِ آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ر مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ر کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں' دعود: ۲۲ دہلی اردو اخبار جلد ۱۵ نمبر ۱۳ مورخہ جمادی الآخرہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۲۷ر مارچ ۱۸۵۳ء میں حضور والا کی نیاز معمولی دسترخوان کا ذکر ہے، جو یکشنبہ ۹ جمادی الآخرہ کو نوروز کے دن منائی گئی تھی۔ یہ واقعہ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کے پوتے میرزا نور الدین شاہی تخلص کی آمدِ دہلی کے بعد کا ہے۔ جن کی صحبت نے بہادر شاہ کو متہم بہ تشیع کیا تھا۔ اس لیے میری دانست میں یہ قطعہ مارچ ۱۸۵۳ء کا لکھا ہوا ہے۔" (مولانا عرشی مرحوم۔ نسخۂ عرشی، اشاعت دوم ص ۱۴۰)

○ ...۱۸۵۳ء

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر؟ / قاصر ہے ستایش میں تری، میری عبارت
نوروز ہے آج، اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں / نظّارگیِ صنعتِ حق، اہلِ بصارت
تجھ کو، شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک / غالبؔ کو، ترے عتبۂ عالی کی زیارت

...۱۸۵۳ء

مخمس

رگھستے گھستے، پاؤں میں زنجیر آدھی رہ گئی [۱/۱]
مر گئے پر، قبر کی تعمیر آدھی رہ گئی
سب ہی پڑھتا، کاش! کیوں تکبیر آدھی رہ گئی
کھینچ کے، قاتل، جب تری شمشیر آدھی رہ گئی
غم سے، جانِ عاشقِ دلگیر، آدھی رہ گئی

بیٹھ رہتا، لے کے چشمِ پُرنم، اُس کے روبرو
کیوں کہا تو نے کہ "کہہ دل کا غم اُس کے روبرو"
بات کرنے میں نکلتا ہے دم، اُس کے روبرو
کہہ سکے ساری حقیقت ہم نہ[۲]، اُس کے روبرو
ہم نشیں، آدھی ہوئی تقریر، آدھی رہ گئی

۱ "تتمۂ دہلی اردو اخبار۔ ۱۷ اپریل ۱۸۵۳ء۔ یہ شاہ ظفرؔ کی غزل پر غالبؔ کی تضمین ہے
۲ عرشی صاحب نے جب دیکھا کہ دیوانِ ظفر اور دہلی اردو اخبار میں 'ہم نہ' لکھا ہے اور قوافی نم، غم، دم، وغیرہ ہیں تو انہوں نے اسے 'نہ ہم' کر دیا۔ عرشی صاحب کی یہ ترمیم درست نہیں۔ ترمیم سے نہ فع کے وزن پر آگیا ہے جو جائز نہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہاں ظفرؔ نے کب کہا ہوگا یعنی "کب ہم اُس کے روبرو"

تو نے دیکھا؟ مجھ پہ کیسی بن گئی، اے رازدار
خواب و بیداری پہ، کب ہے، آدمی کو اختیار
مثلِ زخم، آنکھوں کو سی دیتا، جو ہوتا ہوشیار
کھینچتا تھا، رات کو میں خواب میں، تصویرِ یار
جاگ اُٹھا میں، کھینچنی تصویر آدھی رہ گئی

غم نے جب گھیرا، تو چاہا ہم نے یوں، اے دلنواز
مستیِ چشمِ سیہ سے، چل کے، ہو ویں چارہ ساز
تو صدائے پا سے جاگا، تھا جو محوِ خوابِ ناز
دیکھتے ہی، اے ستمگر، تیری چشمِ نیم باز
کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر آدھی رہ گئی

اس بُتِ مغرور کو کیا ہو کسی پر التفات؟
جس کے حسنِ روز افزوں کی یہ اک ادنیٰ ہے بات
ماہِ نو نکلے پہ، گزری ہوں گی راتیں پان سات
اُس رُخِ روشن کے آگے ماہِ یک ہفتہ کی رات
تابشِ خورشیدِ پُر تنویر آدھی رہ گئی

---

[1] دیکھیے دیوانِ ظفر (دہلی اردو اخبار میں جو چھپا تھا)

تا مجھے پہنچائیے کاہش، بختِ بد ہے گھات میں
ہاں، فراوانی اگر کچھ ہے، تو ہے آفات میں
جُز غم و رنج و الم، گھاٹا ہے ہر یک بات میں
کم نصیبی اِس کو کہتے ہیں کہ میرے ہات میں
آتے ہی، خاصیتِ اِکسیر آدھی رہ گئی

سب سے، یہ گوشہ، کنارے ہے، گلے لگ جا مرے
آدمی کو کیوں پکارے ہے، ہے گلے لگ جا مرے
سر سے گر چادر اُتارے ہے، گلے لگ جا مرے
مانگ کیا بیٹھا سنوارے ہے؟ گلے لگ جا مرے
وصل کی شب، اے بُتِ بے پیر آدھی رہ گئی

میں یہ کیا جانوں کہ وہ کس واسطے ہوں پھر گئے؟
پر نصیب اپنا، اُنھیں جاتا سُنا ہوں، پھر گئے
دیکھنا قسمت، وہ آئے اور پھر یوں پھر گئے
آکے آدھی دُور، میرے گھر سے وہ کیوں پھر گئے
کیا کشش میں دل کی اب تاثیر آدھی رہ گئی؟

○ ۱۸۵۳ء...

ناگہاں یاد آگئی ہے مجھ کو، یارب، کب کی بات؟
کچھ نہیں کہنا کسی سے، سُن رہا ہوں سب کی بات
کس لیے تجھ سے چھپاؤں، ہاں، وہ پرسوں شب کی بات؟
نامہ بر، جلدی میں تیری وہ جو تھی مطلب کی بات
خط میں آدھی ہو سکی تحریر، آدھی رہ گئی

ہو تجلّی برق کی صورت میں، ہے یہ بھی غضب
ہاں، چھ گھنٹے کی تو ہوتی، فرصتِ عیش و طرب
شام سے آتے، تو کیا اچھی گزرتی رات سب
پاس میرے وہ جو آئے بھی، تو بعد از نصفِ شب
نکلی آدھی حسرتِ تقریر، آدھی رہ گئی

تم جو فرماتے ہو "دیکھ، اے غالبِ آشفتہ سر
ہم نہ تجھ کو منع کرتے تھے؟ گیا کیوں اُس کے گھر؟"
جان کی پاؤں اماں! باتیں یہ سب سچ ہیں، مگر
دل نے کی ساری خرابی، لے گیا مجھ کو، ظفر
واں کے جانے میں، مری توقیر آدھی رہ گئی

○ ۱۸۵۳ء...

غزلیات

دل ہی تو ہے، نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟ م
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں م
بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دلفروز، صورتِ مہرِ نیمروز م
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں؟

دشنۂ غمزہ جانستاں، ناوکِ ناز بے پناہ م
تیرا ہی عکسِ رخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں م
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

حُسن اور اُس پہ حُسنِ ظن، رہ گئی بُوالہوس کی شرم م
اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں؟

واں وہ غرورِ عزّ و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع م
راہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ بُلائے کیوں؟

لے دہلی اردو اخبار، جلد ۱۵ نمبر ۷ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۸۵۳ء

○ ...۱۸۵۳ء

ہاں، وہ نہیں خدا پرست، جاؤ، وہ بے وفا سہی م
جس کو ہو دین و دل عزیز، اُس کی گلی میں جائے کیوں؟

غالبِ خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں؟ م
روئیے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں؟

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو، تو کیونکر ہو م کہے سے کچھ نہ ہوا، پھر کہو، تو کیونکر ہو؟[1]
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال م کہ گر نہ ہو، تو کہاں جائیں ہو، تو کیونکر ہو؟
ادب ہے اور یہی کشمکش، تو کیا کیجے؟ م حیا ہے اور یہی گومگو، تو کیونکر ہو؟
تمھیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا! م بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو، تو کیونکر ہو؟
اُلجھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ م جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو، تو کیونکر ہو؟
جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا م وہ شخص دن نہ کہے رات کو، تو کیونکر ہو؟
ہمیں پھر اُن سے اُمید، اور اُنہیں ہماری قدر م ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ، تو کیونکر ہو؟
غلط نہ تھا، ہمیں خط پر گماں تسلّی کا م نہ مانے دیدۂ دیدار جو، تو کیونکر ہو؟
بتاؤ اُس مژہ کو دیکھ کر، کہ مجھ کو قرار م یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو، تو کیونکر ہو؟
مجھے جنوں نہیں، غالبؔ، ولے بقولِ حضور: م "فراقِ یار میں تسکین ہو، تو کیونکر ہو"؟

---

[1] دہلی اردو اخبار، مطابق ۶ مارچ ۱۸۵۳ء

○ ...۱۸۵۳ء

قفس میں ہوں، گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو م
مرا ہونا بُرا کیا ہے، نوا سنجانِ گلشن کو[1]؟

نہیں گر ہمدمی آساں، نہ ہو، یہ رشک کیا کم ہے م
نہ دی ہوتی خدایا، آرزوے دوست دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحت پر م
کیا سینے میں جس نے خوں چکاں مژگانِ سوزن کو

خدا شرمائے ہاتھوں کو! کہ رکھتے ہیں کشاکش میں م
کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاناں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں م
نہیں دیکھا شناور، جوے خوں میں تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا م
کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو

خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے؟
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بشرطِ اُستواری، اصل ایماں ہے م
مرے بُت خانے میں، تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

---

[1] دہلی اردو اخبار ۸ مئی ۱۸۵۳ء

○ ...۱۸۵۳ء

شہادت تھی مری قسمت میں، جو دی تھی یہ خو مجھ کو م
جہاں تلوار کو دیکھا، جھکا دیتا تھا گردن کو
نہ لُٹتا دن کو، تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا؟ م
رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو
سخن کیا کہہ نہیں سکتے، کہ جویا ہوں جواہر کے؟ م
جگر کیا ہم نہیں رکھتے، کہ کھودیں جا کے معدن کو
مرے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں، غالبؔ م
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کہیے؟ م
ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے؟[1]
یہ ضد کہ آج نہ آوے، اور آئے بن نہ رہے م
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے، کیا کہیے؟

---

[1] یہ غزل قلعے کے مشاعرے منعقدہ ۳۰ رجادی الثانی ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء کے لیے کہی گئی تھی (خط بنام حقیر بحوالہ غالبؔ کے خطوط ص ۱۱۴۵) اور دہلی اردو اخبار (تتمہ، جلد ۱۵ نمبر ۱۷) میں ۲۴ اپریل ۱۸۵۳ء کو شائع ہوئی تھی

○ ...۱۸۵۳ء

رہے ہے یوں گہہ و بے گہہ کہ کوئے دوست کو اب م
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے، کیا کہیے؟
زہے کرشمہ، کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب؟ م
کہ بن کہے ہی اُنھیں سب خبر ہے، کیا کہیے؟
سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال م
کہ یہ کہے کہ "سرِ رہگزر ہے، کیا کہیے؟"
تمھیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال م
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے، مگر ہے کیا؟ کہیے؟
اُنھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے، کیوں لڑیے؟ م
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے، کیا کہیے؟
حسد، سزائے کمالِ سخن ہے، کیا کیجیے؟ م
ستم، بہائے متاعِ ہنر ہے، کیا کہیے؟
کہا ہے کس نے کہ غالبؔ بُرا نہیں؟ لیکن م
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے، کیا کہیے؟

کہوں جو حال، تو کہتے ہو: "مُدّعا کہیے" م تمھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے[1]

---

[1] خط بنام حقیر اپریل ۱۸۵۳ء۔ نادراتِ غالبؔ ص ۳۵

○ ۱۸۵۳ء...

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم ستمگر ہیں" م مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو "بجا کہیے"
وہ نیشتر سہی، پر دل میں جب اُتر جاوے م نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے؟
نہیں ذریعۂ راحت، جراحتِ پیکاں م وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے
جو مُدّعی بنے، اس کے نہ مُدّعی بنیے م جو ناسزا کہے، اس کو نہ ناسزا کہیے
کہیں حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے م کہیں مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے م کبھی حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
رہے نہ جان، تو قاتل کو خوں بہا دیجے م کٹے زبان، تو خنجر کو مرحبا کہیے
نہیں نگار کو الفت، نہ ہو، نگار تو ہے م روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے
نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے م طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا، غالبؔ م خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

بازیچۂ اطفال ہے، دنیا مرے آگے م ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے[1]
اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک م اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے
جز نام، نہیں صورتِ عالم مجھے منظور م جز وہم نہیں، ہستیِ اشیا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے م گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

لے یہ غزل بھی "بشر ہے کیا کہیے" والی غزل کے ساتھ ہی کہی گئی تھی، ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء کو یا اس سے دو ایک روز پہلے ۔ مگر دہلی اردو اخبار (تتمہ میں ۲۲ مئی ۱۸۵۳ء کو شائع ہوئی تھی

○ ۱۸۵۳ء...

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے م تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتے ہو، خود بین و خود آرا ہوں، نہ کیوں ہوں؟ م بیٹھا ہے بُتِ آئنہ سیما مرے آگے
پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار م رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے
نفرت کا گماں گزرے ہے، میں رشک سے گزرا م کیوں کر کہوں: "لو نام نہ اُن کا مرے آگے"
ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر م کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے
عاشق ہوں، پہ معشوق فریبی ہے مرا کام م مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے
خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے م آئی شبِ ہجراں کی تمنّا مرے آگے
ہے موجزن اک قُلزمِ خوں، کاش! یہی ہو م آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے
گو ہاتھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے م رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا م غالبؔ کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے م
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے[1]

لے تتمہ دہلی اردو اخبار - ۱۹ جون ۱۸۵۳ء - جلوۂ داغ مرتبہ احسن مارہروی میں لکھا ہے کہ مشاعرے میں ذوق اور داغ بھی شامل تھے ۔ جب داغ نے یہ شعر پڑھا ہے
ہوئے مغرور وہ، جب آہ میری بے اثر دیکھی ؛ کسی کا اس طرح یارب نہ دنیا میں بھرم نکلے
تو شاہ ظفر نے پاس بلا کر داغ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ داغ اس وقت ۲۲ سال کے تھے

○ ۱۸۵۳ء...

ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اُس کی گردن پر م
وہ خوں، جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدمؑ کا سُنتے آئے ہیں لیکن م
بہت بے آبرو ہو کر، ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم، تیرے قامت کی درازی کا م
اگر اس طرّۂ پُرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط، تو ہم سے لکھوائے م
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی م
پھر آیا وہ زمانہ، جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقّع خستگی کی داد پانے کی م
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

محبّت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا م
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں، جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانے کا دروازہ، غالبؔ، اور کہاں واعظ م
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

○ ۱۸۵۳ء...

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے م ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
خستگی کا تم سے کیا شکوہ؟ کہ یہ م ہتھکنڈے ہیں، چرخِ نیلی فام کے

خط لکھیں گے، گرچہ مطلب کچھ نہ ہو م ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم م دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھوں نے پھنسایا، کیا مگر م یہ بھی، حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کے ہے غُسلِ صحّت کی خبر م دیکھیے، کب دن پھریں حمّام کے[1]

عشق نے، غالبؔ، نکمّا کر دیا م ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

سلام

○ ۱۸۵۴ء...

سلام اُس کے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو[2]
نہ بادشاہ، نہ سلطاں، یہ کیا ستایش ہے؟ کہو کہ خاصۂ آلِ عبا کہیں اُس کو

---

[1] "دہلی اردو اخبار" ۴ دسمبر ۱۸۵۳ء میں درج ہے کہ بادشاہ نے "۲۱ صفر (۱۲۷۰ھ) کو غسلِ صحت فرمایا"۔ یہ مطابق ہے ۲۳ نومبر ۱۸۵۳ء کے۔

[2] "رامپور رضا لائبریری میں ایک مخطوطہ "دستور العمل اودھ" کے نام سے محفوظ ہے۔ اس میں مجتہد العصر مولانا سیّد محمد لکھنوی کی شاہ اودھ کے سامنے پیش کی ہوئی تحریریں اور ان پر شاہ کی توقیعیں منقول ہیں۔ اسیر لکھنوی، جو شاہ کے میر منشی تھے۔ اس کتاب کے مرتب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سلام اس دستور العمل میں مجتہد العصر کے مکتوب مورخہ ۴ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ (۳۰ جولائی ۱۸۵۴ء) کے متّصل بعد (۱۸۴ ب) نقل کیا گیا ہے جس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان تاریخوں کے کچھ ہی بعد میرزا صاحب کی طرف سے موصول ہوا ہوگا۔ سلام کا عنوان ہے "یا اسد اللہ الغالب" اور خاتمے پر میرزا صاحب کی مہر (اسد اللہ الغالب) بھی نقل کر دی گئی ہے۔" (نسخۂ عرشی۔ اشاعتِ دوم ص ۳۹۰)

○ ...۱۸۵۴ء

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی ؟ — کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو
خدا کا بندہ، خداوند گار بندوں کا — اگر کہیں نہ خداوند، کیا کہیں اُس کو؟
فروغِ جوہرِ ایماں، حُسین ابنِ علی — کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اُس کو
کفیلِ بخششِ اُمّت ہے، بن نہیں پڑتی — اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو
مسیح جس سے کرے اخذِ فیضِ جاں بخشی — ستم ہے، کُشتۂ تیغِ جفا کہیں اُس کو
وہ، جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل، سبیل — شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اُس کو
عدو کے سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات — کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اُس کو
بہت ہے، پایۂ گردِ رہِ حسین، بلند — بقدرِ فہم ہے، گر کیمیا کہیں اُس کو
نظارہ سوز ہے یاں تک، ہر ایک ذرّۂ خاک — کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو
ہمارے درد کی یارب، کہیں دوا نہ ملے — اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو
ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے حُسنِ صبر کی داد؟ — مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اُس کو
زمامِ ناقہ، کف اُس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں — پسِ از حسینِ علیؑ پیشوا کہیں اُس کو
وہ ریگِ تفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے — کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو
امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد — پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اُس کو
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں — علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اُس کو
یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ — بُرا نہ مانیے، گر ہم بُرا کہیں اُس کو
علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ — کرے جو اُن سے بُرائی، بھلا کہیں اُس کو؟

○ ...۱۸۵۴ء

نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے — رکھے امامؑ سے جو بُغض، کیا کہیں اُس کو؟

بھرا ہے، غالبِ دلخستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

غزلیات

○ ...۱۸۵۳/۵۴ء

درد منّت کشِ دوا نہ ہوا م — میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ م — اک تماشا ہوا، گِلا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں؟ م — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب م — گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی م — آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟ م — بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی م — حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دب گیا، لہو نہ تھما م — کام گر رُک گیا، روا نہ ہوا

لے گلستانِ سخن (تالیف قبل از اپریل ۱۸۵۴ء) میں اس غزل کا ایک شعر انتخاب ہوا ہے۔ نسخۂ عرشی اشاعتِ دوم ص ۱۹۲ پر عرشی صاحب نے اس غزل کو وسطِ ۱۸۵۲ء اور آغازِ ۱۸۵۴ء کے درمیان قرار دیا ہے مگر میری رائے میں جب "یہ غزل قبیح میں نہیں ہے جو اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتبہ ہے" تو اسے زیادہ سے زیادہ آخرِ ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۴ء کے درمیان تسلیم کرنا چاہیے۔

○ ...۱۸۵۳/۵۴ء

رہزنی ہے کہ دِلستانی ہے! م لے کے دل، دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں: م

"آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا"

○ ...۱۸۵۴ء

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا م پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا[1]؟

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم م اُلٹے پھر آئے، درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا م روبرو کوئی بُتِ آئنہ سیما نہ ہوا

کم نہیں نازشِ ہمنائیِ چشمِ خوباں م تیرا بیمار، بُرا کیا ہے، گر اچھا نہ ہوا

سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا م خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا م کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا

ہر بُنِ مو سے، دمِ ذکر، نہ ٹپکے خونناب م حمزہ کا قصہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل م کھیل لڑکوں کا ہوا، دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اُڑیں گے پُرزے م دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پہ تماشا نہ ہوا

جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟ م کہتے ہیں: "ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا[2]؟"

---

[1] خط بنام نبی بخش حقیر (بعد از ۱۸ جون ۱۸۵۴ء) نادرات غالبؔ ص ۵۶

[2] مکتوب غالبؔ بنام منشی نبی بخش حقیر مورخہ ۳ اکتوبر ۱۸۵۴ء میں اس غزل کا دوسرا شعر درج ہوا ہے

○ ...۱۸۵۴ء

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں م ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا؟

لاگ ہو، تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ م جب نہ ہو کچھ بھی، تو دھوکا کھائیں کیا؟

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ؟ م یارب! اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؟

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے م آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؟

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ م مر گئے پر دیکھیے، دکھلائیں کیا؟

پوچھتے ہیں وہ کہ "غالبؔ کون ہے؟" م کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

کسی کو دے کے دل، کوئی نواسنجِ فغاں کیوں ہو؟ م

نہ ہو جب دل ہی سینے میں، تو پھر مُنہ میں زباں کیوں ہو[1]؟

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟ م

سُبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ "ہم سے سرگراں کیوں ہو؟"

کیا غم خوار نے رُسوا، لگے آگ اِس محبت کو! م

نہ لاوے تاب جو غم کی، وہ میرا رازداں کیوں ہو؟

وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا م

تو پھر، اے سنگ دل، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟

---

[1] خط بنام نبی بخش حقیر مورخہ بعد از ۱۸ جون ۱۸۵۴ء

○ ...۱۸۵۴ء

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر، ہمدم م
گری ہے جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

یہ کہہ سکتے ہو: "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ م
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ، دیکھو جرم کس کا ہے؟ م
نہ کھینچو گر تم اپنے کو، کشاکش درمیاں کیوں ہو؟

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟ م
ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو؟

یہی ہے آزمانا، تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟ م
عدو کے ہو لیے جب تم، تو میرا امتحاں کیوں ہو؟

کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی؟" م
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ "ہاں، کیوں ہو؟"

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو، غالبؔ؟ م
ترے بے مہر کہنے سے، وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو؟

قطعہ

خجستہ انجمنِ طوے میرزا جعفر که جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالبؔ م نہ کیوں ہو مادۂ سالِ عیسوی "محظوظ"؟
۱۸۵۴ء

○ ...۱۸۵۴ء

قطعہ

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
کہا غالبؔ سے "تاریخ اس کی کیا ہے؟" م تو بولا: "اِنشراحِ جشنِ جمشید"
۱۲۷۰ھ

قطعہ

افطارِ صوم کی کچھ، اگر دستگاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے، روزہ رکھا کرے [1]
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو م روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

رُباعی

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں؟ آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟ [2]
روزہ مرا ایمان ہے، غالبؔ، لیکن م خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں؟

○ ...دسمبر ۱۸۵۴ء تا اپریل ۱۸۵۷ء

مطلع

ملے، دو مرشدوں کو قدرتِ حق سے ہیں دو طالب
نظام الدین کو خسرو، سراج الدین کو غالبؔ [3]

۱، ۲۔ خط بنام نبی بخش حقیر مورخہ ۴ جون ۱۸۵۴ء۔ نادرات غالب ۵۳، ۵۸۔ خط سے ظاہر ہے کہ یہ رباعی اور قطعہ ۳ رجون یا اس سے دو ایک روز پہلے کہے ہونگے

۳۔ یادگار غالب ص ۷۷۔ حالی لکھتے ہیں کہ بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے غالب اکثر ایسے اشعار دربار میں برجستہ پڑھا کرتے تھے۔ قیاس ہے کہ یہ شعر وفات ذوق کے بعد اور مئی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پہلے کسی وقت کہا گیا ہوگا۔ ذوق ۱۵ نومبر ۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے

○ ...۱۸۵۵ء

قطعہ

م

[۱]اے شہنشاہِ آسماں اورنگ   اے جہاں دارِ آفتاب آثار
تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں   تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی   ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرّۂ ناچیز   روشناسِ ثوابت و سیّار
گرچہ، از روئے ننگِ بے ہنری   ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی   جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں   بادشہ کا غلامِ کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مدّاح   تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ گزار
بارے، نوکر بھی ہو گیا، صد شکر!   نسبتیں، ہو گئیں مشخّص چار
نہ کہوں آپ سے، تو کس سے کہوں؟   مدّعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد، اگرچہ مجھ کو نہیں   ذوقِ آرایشِ سر و دستار

[۱] ممکن ہے یہ قطعہ مہر نیم روز کے مسودے کے ساتھ ہی عیدِ قرباں کو بادشاہ کے حضور میں گزرانا ہو۔ اگرچہ مرزا نے اپنے ایک خط بنام نبی بخش حقیر مورخہ ۲ر جنوری ۱۸۵۱ء میں شمامہ کے بارے میں شکایتاً لکھا تھا اور کہا تھا کہ تنخواہ نہ ملنے پر وہ کام (مہر نیم روز) بند کر دیں گے مگر کام کرنا انھوں نے بند نہیں کیا تھا۔ چنانچہ مکمّل مسودہ انھوں نے عیدِ قرباں کو پیش کیا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قطعہ انھوں نے ذوق کی وفات (نومبر ۱۸۵۴ء) کے کچھ عرصے بعد ۱۸۵۵ء کے شروع میں گزرانا ہو بلکہ یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے

○ ...۱۸۵۵ء

کچھ تو جاڑے میں چاہیے، آخر   تا نہ دے، بادِ زمہریر، آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟   جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال   کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ، اور دن کو دھوپ   بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں!   دھوپ کھاوے کہاں تلک جاں دار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی   وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار!
میری تنخواہ جو مقرّر ہے   اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے، مُردے کی چھ ماہی ایک   خلق کا ہے اسی چلن پہ، مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات   اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض   اور رہتی ہے سُود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا   ہو گیا ہے شریک، ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں   شاعرِ نغز گوئے خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنیے   ہے، زباں میری، تیغِ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے   ہے، قلم میری، ابرِ گوہر بار
ظلم ہے، گر نہ دو سخن کی داد   قہر ہے، گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا!   آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ   تا نہ ہو، مجھ کو، زندگی دشوار

○ ...۱۸۵۵ء

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام　　شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس!

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

قطعہ

○ ...۱۸۵۵ء (قد)

م

نُصرت الملک بہادر، مجھے بتلا کہ مجھے　　تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے　　رونقِ بزمِ مہ و مہر تری ذات سے ہے

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں　　غیر کیا، خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

خستگی کا ہو بھلا، جس کے سبب سے سر دست　　نسبت اک گونہ، مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ میں تیرے رہے توسنِ دولت کی عناں!　　یہ دعا، شام و سحر، قاضیِ حاجات سے ہے

تو سکندر ہے، مرا فخر ہے ملنا تیرا　　گو، شرف خضر کی بھی، مجھ کو، ملاقات سے ہے

اس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار!

غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

قطعہ

م

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر، چلو　　رکھ دیں چمن میں، بھر کے مئے مشکبو کی ناند

جو آئے، جام بھر کے پیے، اور ہو کے مست　　سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

○ ...۱۸۵۵ء (قد)

غالبؔ یہ کیا بیاں ہے؟ بجز مدحِ بادشاہ　　بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں　　ہے جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ، ماند

یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے

لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

قطعہ

م

سہل تھا مُسہل، ولے یہ سخت مشکل آپڑی

مجھ پہ کیا گزرے گی، اتنے روز حاضر بن ہوے

تین دن مُسہل سے پہلے تین دن مُسہل کے بعد

تین مُسہل، تین تبریدیں، یہ سب کے دن ہوے؟

قطعہ

م

سیہ گلیم ہوں، لازم ہے، میرا نام نہ لے

جہاں میں، جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میسّر کبھی کسی پہ مجھے

کہ جو شریک ہو میرا، شریکِ غالبؔ ہے

○ ... ۱۸۵۵ء (قد)

قطعہ

م

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں — دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام — اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

مثنوی

در صفتِ انبہ

م

ہاں، دلِ دردمندِ زمزمہ ساز — کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز؟
خامے کا صفحے پر رواں ہونا — شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے، کیا لکھیے؟ — نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے
بارے، آموں کا کچھ بیاں ہو جائے — خامۂ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
آم کا، کون، مردِ میداں ہے؟ — ثمر و شاخ، گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں؟ — آئے، یہ گوے اور یہ میداں
آم کے آگے پیش جاوے خاک — پھوڑتا ہے، جلے پھپولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح، مقدور — بادۂ ناب بن گیا، انگور
یہ بھی، ناچار، جی کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے

○ ... ۱۸۵۵ء (قد)

مجھ سے پوچھو، تمھیں خبر کیا ہے؟ — آم کے آگے نیشکر کیا ہے؟
نہ گل اس میں، نہ شاخ و برگ، نہ بار — جب خزاں آئے، تب ہو اس کی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں؟ — جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں؟
جان میں ہوتی، گر یہ شیرینی — کوہکن، باوجودِ غمگینی
جان دینے میں اس کو یکتا جان — پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر — کہ دواخانۂ ازل میں، مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے — باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے، بحکمِ ربّ الناس — بھر کے بھیجے ہیں، سر بمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات — مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں، یہ نخل — ہم کہاں، ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک، خسرو پاس — رنگ کا زرد، پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر اک بار — پھینک دیتا طلائے دست افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا — نازشِ دود مانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم — ناز پروردۂ بہار ہے آم
خاص وہ آم، جو نہ ارزاں ہو — نو برِ نخلِ باغِ سلطاں ہو

○ ... ۱۸۵۵ء (قد)

وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد — عدل سے اُس کے ، ہے حمایتِ عہد
فخرِ دیں ، عزِّ شان ، وجاہِ جلال — زینتِ طینت و جمالِ کمال
کارفرماے دین و دولت و بخت — چہرہ آراے تاج و مسند و تخت
سایہ اُس کا ، ہُما کا سایہ ہے — خلق پر ، وہ خدا کا سایہ ہے
اے مُفیضِ وُجودِ سایہ و نور — جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خُداوندِ بندہ پرور کو — وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد و دلشاد و شادماں رکھیو
اور غالبؔ پہ مہرباں رکھیو

غزلیات

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں — م — شبِ فراق سے ، روزِ جزا زیاد نہیں
کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے ؟ — م — بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
جو آؤں سامنے ان کے ، تو "مرحبا" نہ کہیں — م — جو جاؤں واں سے کہیں کو ، تو "خیرباد" نہیں
کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں ، تو کہتے ہیں — م — کہ "آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں"
علاوہ عید کے ، ملتی ہے اور دن بھی شراب — م — گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں

لہ " ولی عہدِ سلطنت ، شاہزادہ غلام فخر الدین عرف میرزا فخرو متوفی ۱۰ ، جولائی ۱۸۵۶ء "

○ ... ۱۸۵۵ء (قد)

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ، ہمیں کیا کام ؟ — م — دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
تم اُن کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو ، غالبؔ — م — یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"

آئے اگر بلا ، تو جگر سے ٹلے نہیں — ایرا ہی دے کے ہم نے بچایا ہے کِشت کو[1]
کعبے میں جا رہا ، تو نہ دو طعنہ ، کیا کہیں — م — بھولا ہوں حقِّ صحبتِ اہلِ کُنِشت کو
طاعت میں تا رہے نہ مَے و انگبیں کی لاگ — م — دوزخ میں ڈال دو ، کوئی لے کر بہشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے ؟ — م — ٹیڑھا لگا ہے قط ، قلمِ سرنوشت کو
غالبؔ ، کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے — م — خرمن جلے ، اگر نہ ملخ کھائے کِشت کو

پھر اس انداز سے بہار آئی — م — کہ ہوئے ، مہر و مہ ، تماشائی
دیکھو ، اے ساکنانِ خطّۂ خاک — م — اِس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر — م — رُوکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی — م — بن گیا ، روے آب پر کائی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے — م — چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر — م — بادہ نوشی ہے ، باد پیمائی
کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی ، غالبؔ — م — شاہِ دیندار نے شفا[2] پائی

[1] یہ شعر ' یادگارِ غالبؔ ' میں درج ہے [2] اس حاشیے کے لیے دیکھیے ص ۲۵۶

○ ... ۱۸۵۵ء (قد)

رَوندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی م اِترائے کیوں نہ، خاک سرِ رہگزار کی
جب اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ م لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم، ولے م کیونکر نہ کھائیے؟ کہ ہوا ہے بہار کی

رُباعیات

۱

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو ارمغاں شہِ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار م فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

○ ... ۱۸۵۵ء ۲

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عُشّاق کی پُرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا م کیونکر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں

۳

ہم گرچہ ہیں سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے[۲]
کہتے ہیں: "کہیں خدا سے" اللہ اللہ م وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

○ ... ۱۸۵۶ء قادرنامہ

(قادر) اور (اللہ) اور (یزداں) خدا ہے (نبی، مُرسَل، پیمبر) رہنما[۳]

۱؎ خط بنام حقیر۔ ۸ مارچ ۱۸۵۵ء نادرات غالب ص ۱۷
۲؎ مثنوی قادرنامہ غالب کی زندگی میں پہلی بار ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) میں مطبع سلطانی دہلی سے اور دوسری بار ۲۲ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۶۳ء کو مجتبیٰ پریس دہلی سے چھپی تھی

○ ... ۱۸۵۶ء

پیشوائے دیں کو کہتے ہیں (اِمام) وہ رسول اللہ کا قائم مقام
ہے (صحابی) دوستِ خالص (ناب) ہے جمع اُس کی، یار رکھ (اَصحاب) ہے
بندگی کا، ہاں، (عبادت) نام ہے نیک بختی کا (سعادت) نام ہے
کھولنا (افطار) ہے اور روزہ (صوم) (لیل) یعنی رات، دن اور روز (یوم)
ہے (صلوٰۃ)، اے مہرباں، اسمِ نماز جس کے پڑھنے سے ہو راضی بے نیاز
جانماز اور پھر (مُصلّا) ہے وہی اور (سجّادہ) بھی گویا ہے وہی
(اسم) وہ ہے، جس کو تم کہتے ہو نام (کعبہ، مکّہ) وہ، جو ہے (بیتُ الحرام)
گرد پھرنے کو کہیں گے ہم (طواف) بیٹھ رہنا گوشے میں ہے (اِعتکاف)
پھر (فلک، چرخ) اور (گردون) اور (سپہر) آسماں کے نام ہیں، اے رشکِ مہر
(مہر) سورج، چاند کو کہتے ہیں (ماہ) ہے محبّت (مہر)، لازم ہے نباہ
(غرب) پچھّم، اور پورب (شرق) ہے (ابر) بدلی، اور بجلی (برق) ہے
آگ کا (آتش) اور (آذر) نام ہے اور انگارے کا (اَخگر) نام ہے
(تیغ) کی ہندی اگر تلوار ہے فارسی پگڑی کی بھی (دستار) ہے
نیولا (راسُو) ہے اور (طاؤس) مور (کبک) کو ہندی میں کہتے ہیں چکور
(خُم) ہے مٹکا، اور ٹھلیا ہے (سبُو) (آب) پانی، (بحر) دریا، نہر، (جُو)
(چاہ) کو کہتے ہیں ہندی میں کُنواں (دُود) کو ہندی میں کہتے ہیں دُھواں
دودھ جو پینے کا ہے وہ (شیر) ہے (طفل) لڑکا، اور بوڑھا (پیر) ہے

○ ...۱۸۵۶ء

(سینہ) چھاتی، (دست) ہاتھ اور (پائے) پانو
(ماہ) چاند (اختر) ہیں تارے، رات (شب)
(اُستخواں) ہڈی ہے اور ہے (پوست) کھال
تل کو (کُنجد) اور (رخ) کو گال کہہ
کیکڑا (سرطاں) ہے، کچھوا (سنگ پُشت)
ہے (شکم) پیٹ، اور بغل (آغوش) ہے
ہندی میں (عَقرَب) کا بچھو نام ہے
ہے وہی (کژدُم)، جسے (عقرب) کہیں
ہے لڑائی (حرب) اور (جنگ) ایک چیز
ناک (بینی)، (پرّہ) نتھنا، (گوش) کان
(چشم) ہے آنکھ، اور (مژگاں) ہے پلک
منھ پہ گر جُھرّی پڑے، (آزنگ) جان
مَسّا (آژخ) اور چھالا (آبلہ)
اونٹ (اُشتُر)، اور (اُشغُر) سیہ ہے
ہے (زَرنَخ) ٹھوڑی، گلا ہے (غنجرہ)
ہے (زَرنَخ) ٹھوڑی، (ذَقن) بھی ہے وہی
پھر (غلیواز) اُس کو کہیے، جو ہے چیل

(شاخ) ٹہنی، (برگ) پتّا، (سایہ) چھانو
دانت (دنداں)، ہونٹ کو کہتے ہیں (لب)
(سگ) ہے کُتا اور گیدڑ ہے (شغال)
گال پر جو تِل ہو، اُس کو (خال) کہہ
(ساق) پنڈلی، فارسی مُٹھی کی (دُشت)
کُہنی (آرنج) اور کندھا (دوش) ہے
فارسی میں بھوں کا (ابرو) نام ہے
(نیش) ہے وہ، ڈنک جس کو سب کہیں
(کعب) ٹخنا اور (رشتالنگ) ایک چیز
کان کی لَو (نرمہ) ہے، اے مہربان
آنکھ کی پُتلی کو کہیے (مَردُمک)
فارسی چھینکے کی تو (آونگ) جان
اور ہے دائی جنائی (قابلہ)
گوشت ہے (لحم)، اور چربی (پیہ) ہے
سانپ ہے (مار) اور جھینگر (زنجرہ)
(خاد) ہے چیل، اور (زغن) بھی ہے وہی
چیونٹی ہے (مور) اور ہاتھی ہے (پیل)

○ ...۱۸۵۶ء

لومڑی (روباہ) اور (آہو) ہرن
(اسپ) جب ہندی میں گھوڑا نام پائے
(گربہ) بلّی، (مُوش) چوہا، (دام) جال
(خر) گدھا، اور اس کو کہتے ہیں (الاغ)
ہندی چڑیا، فارسی (گنجشک) ہے
(تابہ) ہے، بھائی، تو سے کی فارسی
نام مکڑی کا (کلاش) اور (عنکبوت)
(پشّہ) مچھر اور مکھی ہے (مگس)
بھیڑیا (گرگ) اور بکری (گوسپند)
نام (گل) کا پھول، (شبنم) اوس ہے
(سقف) چھت ہے، (سنگ) پتھر، اینٹ (خشت)
(خار) کانٹا، (داغ) دھبّہ (نغمہ) راگ
(زر) ہے سونا، اور (زرگر) ہے سُنار
(ریش) داڑھی، مونچھ (سبلت) اور (بروت)
زندگانی ہے (حیات) اور (مرگ) موت
(جملہ) سب، اور (نصف) آدھا، (ربع) پاؤ
ہے (جراحت) اور (زخم) اور گھاؤ (ریش)

(شمس) سورج، اور (شعاع) اُس کی کرن
(تازیانہ) کیوں نہ کوڑا نام پائے
(رشتہ) تاگا، (جامہ) کپڑا، (قحط) کال
(دیگداں) چولہا، جسے کہیے (اُجاغ)
مینگنی جس کو کہیں وہ (پشک) ہے
اور (تیہو) ہے لوے کی فارسی
کہتے ہیں مچھلی کو (ماہی) اور (حوت)
(آشیانہ) گھونسلا، پنجرہ (قفس)
(میش) کا ہے نام بھیڑ، اے خود پسند
جس کو نقّارہ کہیں، وہ (کوس) ہے
جو بُرا ہے، اُس کو ہم کہتے ہیں (زشت)
(سیم) چاندی، (مس) ہے تانبا، (بخت) بھاگ
(موز) کیلا، اور ککڑی ہے (خیار)
(احمق) اور (نادان) کو کہتے ہیں اُوت
(شوے) خاوند، اور ہے (اَنباغ) سوت
(صَرصَر) آندھی، (سیل) نالا، (باد) باؤ
بھینس کو کہتے ہیں بھائی، (گاؤمیش)

○ ...۱۸۵۶ء

(ہفت) سات اور (ہشت) آٹھ اور (بست) بیس   (سی) اگر کہیے، تو ہندی اُس کی تیس
ہے (چہل) چالیس اور (پنجہ) پچاس   (ناامیدی) یاس اور (امید) آس
(دوش) کل کی رات اور اِمروز (آج)   (آرد) آٹا اور (غلّہ) ہے اناج
چاہیے ہے ماں کو (مادر) جاننا   اور بھائی کو (برادر) جاننا
پھاوڑا (بیل) اور درانتی (داس) ہے   فارسی (کاہ) اور ہندی گھاس ہے
سبز ہو جب تک اُسے کہیے (گیاہ)   خشک ہو جاتی ہے تب کہتے ہیں (کاہ)
(چکسہ) پُڑیا، (کیسے) کا تھیلی ہے نام   فارسی میں چھتے کا (سیلی) ہے نام
(اخلگندو) جھنجھنا، (نیرو) ہے زور   (بادفر) پھرکی ہے اور ہے (دُزد) چور
انگبیں (شہد) اور (عسل) یہ اے عزیز   نام کو ہیں تین، پر ہے ایک چیز
(آچل) اور (آروغ) کی ہندی ڈکار   (مَے) شراب اور پینے والا (میگسار)
روئی کو کہتے ہیں (پنبہ) سُن رکھو   آم کو کہتے ہیں (انبہ) سُن رکھو
(خانہ) گھر ہے، اور کوٹھا (بام) ہے   قلعہ (دِز)، کھائی کا (خندق) نام ہے
ہے بنولا (پنبہ دانہ) لاکلام   اور تربُز (ہندوانہ) لاکلام
گر (دریچہ) فارسی کھڑکی کی ہے   (سرزنش) بھی فارسی جھڑکی کی ہے
ہے کہانی کی (فسانہ) فارسی   اور شعلے کی (زبانہ) فارسی
(نعل درآتش) اُسی کا نام ہے   جو کہ بے چین اور بے آرام ہے
(ریت) اور ستّو کو کہتے ہیں (سویق)   (ژرف) اور گہرے کو کہتے ہیں (عمیق)

○ ...۱۸۵۶ء

(تار) تانا، (پود) بانا، یاد رکھ   (آزمودن) آزمانا یاد رکھ
(بوسہ) چُمّی، چاہنا ہے (خواستن)   کم ہے (اندک)، اور گھٹانا (کاستن)
خوش رہو، ہنسنے کو (خندیدن) کہو   گر ڈرو، ڈرنے کو (ترسیدن) کہو
ہے (ہراسیدن) بھی ڈرنا، کیوں ڈرو؟   اور (جنگیدن) ہے لڑنا، کیوں لڑو؟
ہے گزرنے کی (گزشتن) فارسی   اور پھرنے کی ہے (گشتن) فارسی
وہ (سرودن) ہے، جسے گانا کہیں   ہے وہ (آوردن)، جسے لانا کہیں
(زیستن) کو جانِ من، جینا کہو   اور (نوشیدن) کو تم پینا کہو
دوڑنے کی فارسی ہے (تاختن)   کھیلنے کی فارسی ہے (باختن)
(دوختن) سینا، (دریدن) پھاڑنا   (کاشتن) بونا ہے (رُفتن) جھاڑنا
(کاشتن) بونا ہے اور (کِشتن) بھی ہے   کاتنے کی فارسی (رِشتن) بھی ہے
ہے ٹپکنے کی (چکیدن) فارسی   اور سُننے کی (شُنیدن) فارسی
کُودنا (جستن)، (بریدن) کاٹنا   اور (لیسیدن) کی ہندی چاٹنا
دیکھنا (دیدن)، (رمیدن) بھاگنا   جان لو، (بیدار بودن) جاگنا
(آمدن) آنا، بنانا (ساختن)   ڈالنے کی فارسی (انداختن)
(سوختن) جلنا، چمکنا (تافتن)   ڈھونڈھنا (جُستن) ہے، پانا (یافتن)
باندھنا (بستن)، (کشادن) کھولنا   (داشتن) رکھنا ہے، (سُختن) تولنا
تولنے کو اور (سنجیدن) کہو   پھر خفا ہونے کو (رنجیدن) کہو

۱۸۵۶...ء

فارسی سونے کی (خُفتن) جانیے   منھ سے کچھ کہنے کو (گُفتن) جانیے
کھینچنے کی ہے (کشیدن) فارسی   اور اُگنے کی (دَمیدن) فارسی
اونگھنا پوچھو، (غنُودن) جان لو   مانجھنا چاہو، (زدُودن) جان لو
ہے قلم کا فارسی میں (خامہ) نام   ہے غزل کا فارسی میں (چامہ) نام
کس کو کہتے ہیں غزل؟ ارشاد ہو   ہاں، غزل پڑھیے، سبق گر یاد ہو
صبح سے دیکھیں گے رستا یار کا   غزل   جمعے کے دن وعدہ ہے دیدار کا
وہ چُراوے باغ میں میوہ جسے   پھاند جانا، یاد ہو، دیوار کا
پُل ہی پر سے پھیر لائے ہم کو لوگ   ورنہ، تھا اپنا ارادہ پار کا
شہر میں چھڑیوں کے میلے کی ہے بھیڑ   آج عالم اور ہے بازار کا
لاآں ڈگّی پر کرے گا جا کے کیا؟   پُل پہ چل، ہے آج دِن اتوار کا
گر نہ ڈر جاؤ، تو دکھلاؤں تمھیں   کاٹ، اپنی کاٹھ کی تلوار کا
واہ بے! لڑکے، پڑھی اچھّی غزل   شوق، ابھی سے ہے تجھے، اشعار کا
لو سنو کل کا سبق، آجاؤ تم   پوزی (اَفسار) اور دُمچی (پاردُم)
چھلنی کو (غِربال، پَرویزن) کہو   چھید کو تم (رَخنہ) اور (رَوزن) کہو
(چہ) کے معنی کیا، (چگویم) کیا کہوں   (من شوم خاموش) میں چپ ہو رہوں
(باز خواہم رفت) میں پھر جاؤں گا   (نان خواہم خورد) روٹی کھاؤں گا
فارسی (کیوں) کی (چرا) ہے یاد رکھ   اور گھنٹالا (دِرا) ہے یاد رکھ

۱۸۵۶...ء

(دشت)، (صحرا) اور جنگل ایک ہے   پھر (سہ شنبہ) اور منگل ایک ہے
جس کو (ناداں) کہیے وہ انجان ہے   فارسی بینگن کی (بادِنجان) ہے
جس کو کہتے ہیں جمائی، (فازہ) ہے   جو ہے انگڑائی، وہی (خمیازہ) ہے
(بارہ) کہتے ہیں کرڑے کو، ہم سے پوچھ   پاڑ ہے (تالار) اک عالم سے پوچھ
جس طرح گہنے کی (زیور) فارسی   اُس طرح ہنسلی کی (پَرگر) فارسی
بھِڑ کی، بھائی، فارسی (زنبور) ہے   دَسپنا (اَنبر) ہے اور (اَنبور) ہے
فارسی (آئینہ)، ہندی آرسی   اور ہے کنگھے کی، (شانہ)، فارسی
ہینگ (انگوزہ) ہے، اور (اَرزیز) رانگ   (ساز) باجا، اور ہے آواز (بانگ)
(زوجہ) جورو (یَزنہ) بہنوئی کو جان   (خَشم) غصّے اور بدخوئی کو جان
لوہے کو کہتے ہیں (آہن) اور (حَدید)   جو نئی ہو چیز، اُسے کہیے (جَدید)
ہے (نَوا) آواز، ساماں اور اَول   (نرخ) قیمت اور (بہا) یہ سب ہیں مول
(سِیر) لہسن (تُرب) مولی، (تَرّہ) ساگ   کھا (بخُور)، (برخیز) اُٹھ، (بگریز) بھاگ
روئی کی پونی کا ہے (پاغُند) نام   (دُوک) تکلے کو کہیں گے لا کلام
(گیتی) اور (گیہاں) ہے دُنیا، یاد رکھ   اور ہے (نَدّاف) دُھنیا، یاد رکھ
(کوہ) کو ہندی میں کہتے ہیں پہاڑ   فارسی (گُلخن) ہے اور ہندی ہے بھاڑ
تکیہ (بالش) اور بچھونا، بِسترا   اصل (بستر) ہے، سمجھ لو تم ذرا
بِسترا بولیں سپاہی اور فقیر   ورنہ (بستر) کہتے ہیں بُرنا و پیر

○ ...۱۸۵۶ء

(پیر) بوڑھا اور (برنا) ہے جواں — جان کو البتہ کہتے ہیں (رواں)
اینٹ کے گارے کا نام (آژند) ہے — ہے (نصیحت) بھی وہی، جو (پند) ہے
(پند) کو (اندرز) بھی کہتے ہیں، ہاں — (ارض) ہے، پر (مرز) بھی کہتے ہیں ہاں
کیا ہے (ارض) اور (مرز)؟ تم سمجھے؟ (زمیں) — (عنق) گردن، اور پیشانی (جبیں)
(آس) چکی، (آسیا) مشہور ہے — اور (فوفل) چھالیا مشہور ہے
بانسلی (نے) اور (جلاجل) جھانجھ ہے — پھر (ستروَن) اور (عقیمہ) بانجھ ہے
(کحل) سُرمہ، اور سلائی (میل) ہے — جس کو جھولی کہیے وہ (زنبیل) ہے
پایا قادر نامے نے آج اختتام — اک غزل تم اور پڑھ لو، والسلام!

غزل

شعر کے پڑھنے میں کچھ حاصل نہیں — مانتا، لیکن ہمارا دل، نہیں
علم سے ہی قدر ہے انسان کی — ہے وہی انسان، جو جاہل نہیں
کیا کہیں کھائی ہے حافظ جی کی مار؟ — آج ہنستے آپ جو کھِل کھِل نہیں
کس طرح پڑھتے ہو رُک رُک کر سبق؟ — ایسے پڑھنے کا تو میں قائل نہیں

جس نے قادر نامہ سارا پڑھ لیا
اُس کو آمد نامہ کچھ مشکل نہیں

مئی ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۲ء

مُتفرّق

تیسرا مطبوعہ ایڈیشن ۱۸۶۱ء

چوتھا مطبوعہ ایڈیشن ۱۸۶۲ء

(پانچویں مطبوعہ ایڈیشن (۱۸۶۳ء) کے تمام اشعار چوتھے مطبوعہ ایڈیشن تک شاملِ دیوان ہو کر شائع ہو چکے تھے)